خذوا التوحید خذوا التوحید یا ابناء الفارس

کے آج آپ مصداق ہیں۔ آج احمدی قیامِ توحید کے

لئے بڑی شان سے قربانیاں کر رہے ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ /اگست ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۹﴾ (آل عمران:۱۹)

پھر فرمایا:۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور وہ یہ گواہی انصاف پر قائم ہوتے ہوئے دے رہا ہے۔ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں اور اہل علم بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے، وہی اللہ ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ کو آخر پر رکھا ہے یعنی یہ عبارت اس طرح بنتی ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ بھی قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ پر قائم ہوتے ہوئے لیکن لفظ قَآئِمًا کو واحد میں رکھا ہے۔ قـائـمـین نہیں فرمایا۔ اگر قـائمین کہا جاتا تو مراد یہ تھی کہ سارے انصاف پر قائم ہوتے ہوئے گواہی دیتے ہیں لیکن

انصاف پر قائم ہونے کی تعریف صرف حضرت جلّ شانہٗ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور باقی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ بھی توحید کا ایک بہت ہی اعلیٰ مضمون ہے۔توحید کی گواہی دینے والا صاحبِ توحید سے بڑھ کر کوئی ہو نہیں سکتا۔ وہی ہے جس کی ہر حال پر اور ہر دنیا پر، ہر زمانے پر، کائنات کی ہر چیز پر نظر ہے اور جس کی نظر نہ ہو اتنی وسیع ، نہ زمانوں پر حاوی، نہ مکان پر، وہ ذاتی گواہی نہیں دے سکتا۔ فرمایا قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ تو اللہ ہی ہے۔اس کی گواہی کو سن کر اس پر یقین اور ایمان لاتے ہوئے پھر فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور یہ آوازیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور اُولُوا الۡعِلۡمِ بھی یہ گواہی دیتے ہیں اور جب اُولُوا الۡعِلۡمِ کہا جاتا ہے تو سب سے اوّل اور اعلیٰ ،صاحبِ علم ذات حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ پس یہ بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں اور وہ یہ گواہی قِسۡطِ پر قائم ہوتے ہوئے ، انصاف پر قائم ہوتے ہوئے دیتا ہے۔ اس کے ساتھ فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور تمام اہل علم جن کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ان کی بھی یہی گواہی ہے۔ پس یہ جو مضمون چل رہا ہے۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی کے تعلق میں ہے لیکن اس گواہی کی بناء اللہ کی گواہی ہے اور ہر گواہی کی شاخ اسی ایک تنے سے پھوٹتی ہے۔ قابل اعتماد انصاف کی گواہی صرف خدائے واحد و یگانہ کی گواہی ہے جس کے تابع جو گواہی آتی چلی جائے گی وہ بھی اتنی ہی قابل اعتماد ہوتی چلی جائے گی۔

اس مضمون پر کچھ اور کہنے سے پہلے میں چند پیغامات کی درخواستوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ خدام الاحمدیہ خوشاب کا سالانہ اجتماع ۱۹ راگست سے شروع ہو چکا ہے۔ آج جمعہ کو وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں کہ ایک دو کلمے ان کو مخاطب کر کے کہوں۔ کینیڈا کی مجلس خدام الاحمدیہ کا چھٹا سالانہ اجتماع آج بیت الاسلام ٹورانٹو میں شروع ہو رہا ہے۔ یہ ۲۰ ر سے ۲۲ راگست تک جاری رہے گا۔ صدر مجلس نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ان کو بھی اس خطبے میں یاد رکھا جائے۔ چونکہ توحید کا مضمون چل رہا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام کے الفاظ میں ان تمام مجالس کو اور دنیا کی تمام جماعتوں کو پیغام دیتا ہوں۔ **خذوا التوحید التوحید یاابناء الفارس و بشر الذین امنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم** (تذکرہ صفحہ:۱۹۷) اے ابنائے فارس! توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو، خبردار توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ خوشخبری دو **انّ لھم قدم**

صدق عند ربهم کہ خدا کی نگاہ میں ان کا قدم سچائی پر پڑ رہا ہے، ان کے رب کی نظر میں ان کا قدم سچائی پر پڑ رہا ہے۔ ان دونوں جملوں کا تعلق دراصل توحید اور اس کے لازمی نتیجے سے ہے۔ یہاں ابنائے فارس کو یہ ارشاد فرمایا گیا لیکن ابنائے فارس میں روحانی ابنائے فارس لازماً داخل ہیں کیونکہ ابنائے فارس کا مضمون ہی روحانی تعلق سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت قرار دیا گو کہ ان کی ذات کا ایک روحانی تعلق ہے جسے اہل بیت کے تعلق میں تبدیل کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ ایک ہی بات ہے جو روحانی طور پر بیٹا بنے، وہ جسمانی طور پر بھی بیٹا کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق بھی روحانی ہی ہے۔ اہل فارس میں سے آپ تھے مگر آپ کی اولاد میں سے نہیں کیونکہ حضرت سلمان فارسیؓ کی تو کوئی اولاد نہیں تھی۔ تو دوہرا مضمون ہے کہ جہاں ابنائے فارس کا ذکر آئے گا وہاں روحانی اہل بیت لازماً داخل ہوگا۔

پس خذوا التوحید التوحید میں ساری جماعت احمدیہ مخاطب ہے اور توحید کو اگر آپ مضبوطی سے پکڑ لیں تو پھر یہ خوشخبری ہے بشر الذين امنوا ان لهم قدم صدق عند ربهم ایسے صاحبِ توحید ایمان والوں کو یہ خوشخبری دے دو کہ ان کا قدم خدا کی نگاہ میں سچائی پر پڑا اور جس کا قدم خدا کی نگاہ میں سچائی پر قائم ہوا سے دنیا میں کون بہکا سکتا ہے، کون گمراہ کر سکتا ہے؟ پس قیامت تک آپ کی ہدایت پر قائم رہنے کا راز توحید میں ہے۔

اس پیغام کے بعد میں پھر اس مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن مجھے یہ بتایا گیا کہ ایک روایت جو جنگ احد سے تعلق رکھتی ہے جب آپؐ غار میں پناہ گزیں تھے۔ وہ میں نے پوری نہیں پڑھی تھی اور کچھ آخری حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کے بعد دوسری روایت شروع کر دی۔ پہلے تو اس کو میں مکمل کرتا ہوں۔ آخری بات جو اس میں چھوٹی سی رہ گئی تھی چھوٹی تو نہیں لیکن بہت اہم بات ہے لیکن تھوڑی سی عبارت رہ گئی تھی۔ اس ضمن میں ایک تفصیلی مضمون یہ ہے جب میں پڑھ رہا تھا تو لکھا ہوا تھا۔ ابن ابوقحافہ یعنی حضرت ابو بکرؓ کے متعلق اور مجھے تعجب ہوا کہ آپؓ تو ابن ابی قحافہ کے طور پر مشہور ہیں۔ ابوقحافہ تو آپ کے والد تھے۔ روایت میں ابوقحافہ کیوں لکھا گیا ہے مگر وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس بحث میں الجھتا جو پڑھا اس پر گزر گیا لیکن بعد میں جب اصل الفاظ نکالے تو

واقعۃً روایت غلط لکھی گئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا معروف نام ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ابن ابی قحافہ کے نام سے یا ابن ابوقحافہ کے نام سے آپؓ کی کنیت تھی اور اسی نام سے آپ معروف تھے۔

اس کے بعد جو روایت کا حصہ ہے میں کچھ پہلا حصہ ساتھ ملا کر پڑھتا ہوں۔ **ثم اخذ یرتجز أعل هبل اعل هبل قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تجیبونہ قالوا یارسول اللہ مانقول قال قولوا اللّٰہ اعلٰی واَجَلّ قال ان لنا العزّیٰ ولا عزیّٰ لکم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تجیبونہ قالوا یارسول اللہ مانقول قال قولوا اللہ مولانا ولا مولی لکم** (مسند احمد حدیث نمبر:۱۷۸۵) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ابوسفیان نے زجر شروع کی تو زجر میں اس نے یہ کہا **أعل هبل اعل هبل** بلند ہو ھبل کا نام۔ بلند ہو ھبل کا نام، حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت تک احتیاط کے تقاضوں کے پیشِ نظر خاموش رہنے کی تلقین فرما رہے تھے آپؐ نے بے اختیار صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے، کیا تم اس کا جواب نہیں دو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں! کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ مگر کیا جواب دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جواب دو **اللّٰہ اعلی واجلّ**، اللہ سب سے بلند ہے اور اللہ سب سے زیادہ روشن ہے، سب سے زیادہ نمایاں ذات ہے اس کی جو چھپائی نہیں جاسکتی۔ اس پر ابوسفیان نے یہ اعلان کیا کہ **ان لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم** کہ ہمارے خداؤں میں تو عزیٰ نام بھی آتا ہے اس عزیٰ کی تائید بھی ہمارے شامل حال ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں ہے، کسی عزیٰ سے تم مدد نہیں مانگ سکتے ہو۔ پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ بے چین ہوئے اور فرمایا کیا تم ان کو جواب نہیں دو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو **اللّٰہ مولانا ولا مولی لکم** اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک اور تصحیح بھی کروں، میں نے روایت میں جو زبانی یاد تھی اس وقت، یہ کہا تھا کہ غالباً ابن مسعود کی یہ روایت ہے جس میں غلام کو مارنے کا ذکر ہے۔ غالباً احتیاطاً کہا تھا کہ مجھے پوری طرح یاد نہیں تھا۔ مسعود نام یاد نہیں تھا، یاد تھا لیکن یہ نہیں پتا تھا کہ ابومسعود ہیں کہ ابن مسعود۔ تو میں نے تحقیق کروائی تو پتا چلا کہ وہ روایت ابومسعود کی ہے۔

ابن مسعود ضمناً میں آپ کو بتاتا چلوں کہ ان ابتدائی صحابہؓ میں سے ہیں جنہوں نے بہت

چھوٹی عمر میں بیعت کا شرف حاصل کیا اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں چھٹے نمبر کا مبائع ہوں۔ میں نے چھٹے نمبر پر آنحضورﷺ کی بیعت کی اور بیعت کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ یہ کسی کی بکریاں چَرا رہے تھے۔ حضرت رسول اکرمﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا وہاں سے گزر ہوا اور آپؐ کو بھوک بھی ہوگی اور پیاس بھی۔ آپﷺ نے اس بچے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہمیں بکری کا دودھ دوہ دو۔ تو یہ بڑے نیک فطرت تھے۔ انہوں نے کہا میری بکریاں نہیں ہیں، کسی کی ہیں اور میں امین ہوں، میں امانت میں خیانت نہیں کرسکتا۔ آنحضرتﷺ کو خدا پر ایسا کامل اعتماد اور یقین تھا کہ اسی وقت فرمایا کہ تم بکری کا دودھ دوہ دو اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس دودھ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ خود کمی پوری فرمائے گا اور تمہاری امانت قائم رہے گی۔ ابومسعود کہتے ہیں کہ جب میں نے دودھ دوہا اور ان کو پلایا تو دیکھتے دیکھتے تھن دوبارہ بھر گیا اور اسی طرح بھر گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ نشان دیکھ کر ہی میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا اور بہت جلد اس کے بعد آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ابن مسعود ہیں۔ ابومسعود وہ ہیں جو ابومسعود انصاری۔ یہ بدری بھی کہلاتے ہیں، یہ اور ہیں ،ابن مسعود اور ہے جو روایت تھی وہ ابومسعود کی تھی۔

اب میں وہ بقیہ روایت آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس میں میں یہاں تک پہنچا تھا۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ نے منبر پر چڑھ کر بڑے جوش اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے گائے، خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر فرمایا اور خدا کی طرف سے یہ پیغام بنی نوع انسان کو دیا۔ اس پیغام کا ایک حصہ یہ تھا کہ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، سوائے اس کے جس کو میں لباس پہناؤں۔ (یہاں تک میں بات کر چکا تھا۔ اب اس کا اگلا حصہ ہے۔) پس مجھ سے لباس مانگو۔ میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرو تو بھی تمہارے گناہ بخش سکتا ہوں۔ پس مجھ سے ہی بخشش مانگو۔ یہ مضمون آپس میں بہت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ لباس کے متعلق میں نے آپ کو بتایا تھا کہ اصل لباس تو لِبَاسُ التَّقْوٰى (الاعراف: ۲۷) ہے۔ وہ لباس اگر نصیب نہ ہو تو انسان ہر لباس میں ننگا رہتا ہے اور اس کے معاً بعد حضرت اقدس محمد رسول اللہﷺ خدا کا جو پیغام دیتے ہیں۔ وہ اسی بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ عام لباس کا بھی ذکر ہو تب بھی اصل لباس وہ لباس ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے جس سے گناہ ڈھانپے جاتے ہیں، جس سے گناہ ایسی حالت

میں ڈھانپے جاتے ہیں کہ اس ستاری کے پردے تلے انسان ان گناہوں کی بیماریوں کو دور کرتا چلا جاتا ہے اور ان سے صحت یاب ہوتا چلا جاتا ہے۔(مسلم کتاب البر واصلہ حدیث نمبر:۴۶۷۴)

استغفار حقیقت میں اسی کا نام ہے۔استغفار کا ایک پہلو ہے کرید تے ہوئے مٹی میں چھپ جانا یا کسی اور چیز کے پیچھے جیسے حضرت آدمؑ پتھر کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔اپنے گناہوں کو حیا کے نتیجے میں چھپانا، یہ استغفار ہے۔یہی عمل حیا کے نتیجے میں نہیں بلکہ دکھاوے کے نتیجے میں بھی ہوتا ہے اور منافقت کے نتیجے میں بھی ہوتا ہے۔ایک آدمی اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے حیا کے نتیجے میں نہیں بلکہ ریا کاری کے نتیجے میں۔وہ عمل استغفار نہیں ہے۔استغفار کا تعلق حیا سے ہے اور جب حیا کے نتیجے میں خدا سے بخشش مانگی جائے اور اس پر پردۂ ستاری کو طلب کیا جائے تو لازماً حیا کا تقاضا ہے کہ اس بات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ایک انسان کے چہرے پر داغ ہو وہ باہر نکلتا ہے، شرماتا ہے تو اس داغ کو دور کرنے کی بھی تو کوشش کرتا ہے۔اس کو اسی طرح تو نہیں لئے پھرتا ہے۔پس حیا کا تعلق ایک احساس سے ہے کہ میرے اندر ایک نقص ہے اور وہ حیا اس نقص کو دور کرنے میں ممد ثابت ہوتی ہے اور اس کی طرف توجہ دلاتی رہتی ہے۔

پس خدا سے بخشش مانگنے کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ اے خدا ہمارے پردے ڈھانپ دے اور ہم جو چاہیں کرتے رہیں اور اسی طرح رہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہمیں موقع دے، استطاعت عطا فرما کہ ہم چھپ کر جہاں تک زور لگتا ہے ان گناہوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔پس اس کا تعلق بھی لباس ہی سے ہے۔دیکھیں کیسا فصیح و بلیغ کلام ہے۔لباس کے معاً بعد جبکہ عام انسان کا ذہن اس طرف جا ہی نہیں سکتا کہ آگے کیا مضمون ہونا چاہئے۔فرمایا میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرو تو بھی میں تمہارے گناہ بخش سکتا ہوں۔یہاں گناہ بخشنے کا جو اردو محاورہ ہے اس کی طرف نظر نہ رکھیں بلکہ جو عربی میں استغفار اور غفران کا مضمون ہے اس کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات بنے گی جو میں آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں۔پس مجھ سے ہی بخشش مانگو، مجھ سے استغفار کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔اے میرے بندو! تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ نقصان پہنچانے کا ارادہ کرو اور نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو۔اس کا تعلق بدی اور نیکی سے ہے۔خدا کو ویسے تو کوئی نقصان پہنچا ہی نہیں سکتا لیکن خدا کے احکام کی بے حرمتی کر کے، گناہوں میں ملوث ہو کر، خدا سے ایک قسم کی بے اعتنائی اور تکبر کا اظہار کر سکتا ہے

اور یہی مراد ہے نقصان پہنچانے کی، تو فرمایا کہ تم گناہ تو کرتے ہو اور اگر مجھ سے بخشش مانگو گے تو میں بخش دوں گا اور بخش سکتا ہوں لیکن اگر تم بے پرواہ ہو جاؤ اور مجھ سے بے نیاز ہو جاؤ تو تمام عمر گناہوں میں ملوث رہو، سیاہ ترین اعمال کے مرتکب ہو لیکن تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور یاد رکھو کہ تمہاری نیکیاں بھی مجھ پر کوئی احسان نہیں اور میری سلطنت میں ایک ذرّے کا بھی اضافہ نہیں کر سکتیں جو کچھ ہے تمہارے لئے ہے۔ گناہ کرو گے تو تم اپنا نقصان اٹھاؤ گے، اپنی ذات کو نقصان پہنچاؤ گے، اگر نیکیاں کرو گے تو اپنے لئے ۔ ہاں یہ فیض میری طرف سے پہنچے گا، تمہیں بدیوں سے بچاؤں اور تمہارے گناہوں کو بخشوں اور نیکیوں کی جزا دوں کیونکہ بدیوں کی سزا سے بچنا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نیکیوں کی جزا پانا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ انسان تو خدا کا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ بدیوں سے نقصان، نہ نیکیوں سے فائدہ لیکن خدا اس کو بدیوں سے بچا کر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نیکیوں کی جزا دے کر جو مالک ہے چاہے تو نہ دے اس کو عطا فرما سکتا ہے تو کلیۃً احسان کا رخ خدا کی طرف سے بندوں کی طرف ہے۔ پھر فرمایا اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جن وانس سب کے سب اوّل درجے کے متقی اور پرہیز گار بن جائیں اور اس شخص کی طرح بن جائیں جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ سمجھے ہیں کہ کون مراد ہے؟ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے یہ رستہ کھلا رکھا ہے کہ ایک انسان محمد ﷺ تک پہنچے لیکن پہنچ کوئی نہیں سکے گا کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ عالم الغیب ہے اس کھلی دوڑ کی آزادی دے کر جانتا ہے کہ کون آگے نکل چکا اور کوئی اس کے بعد اسے پیچھے نہیں چھوڑ سکے گا۔ اس مضمون کو توڑ مروڑ کر وہ گند اچھالا کہ دیکھو جی، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کتنے محمد بن سکتے ہیں؟ کروڑوں بن سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک ۔ اور ہرگز یہ مراد نہیں، یہ گستاخی نہیں ہے، یہ ایک شان کا اظہار ہے خدا تعالیٰ یہی بیان فرما رہا ہے۔ کہتا ہے کہ تم میں سارے محمد بن جائیں۔ تب بھی میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اگر اتقاکم سے محمد رسول اللہ مراد نہیں ہیں تو اور کون مراد ہو سکتا ہے۔ یہ تمام بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ متقی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ تم سارے بن جاؤ تب بھی میری سلطنت میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ پس وہ لوگ جو بعض دفعہ عشق محمدؐ میں مبالغہ اس حد تک کرتے ہیں کہ گویا خدا محمدؐ کے لئے پیدا ہوا، یا تھا۔ ان کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ حضرت

محمد رسول اللہ ﷺ جو خدا کا پیغام دے رہے ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ توحید کامل یہ ہے کہ ہر دوسرا وجود مٹ جائے اور فنا ہو تب بھی خدا کی توحید اسی شان کے ساتھ کامل درجے پر قائم رہتی ہے۔

پس اس کے بعد فرمایا متقی پرہیز گار بن جائیں۔ اس وجود کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے تو تمہارا ایسا ہو جانا، میری بادشاہت میں ایک ذرہ بھر اضافہ نہیں کر سکتا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جنّ وانس، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار ہے اور اس کے قلب بدنہاد کی طرح، اس کے گناہگار دل کی طرح سیاہ ہو جائیں، تو بھی میری بادشاہت میں کسی چیز کی کمی نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ گناہگار دل کا ہو جانا بتاتا ہے کہ دل تو گناہوں کا مرکز ہے وہیں سے گناہ پھوٹتے ہیں اور بالآخر اسی کو سیاہ کر جاتے ہیں۔ تو مجسم گناہ بن جائے، یہ مراد ہے۔ تب بھی میری بادشاہت میں کمی نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے جن وانس ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے حاجات مانگیں اور میں ہر ایک کی حاجت پوری کر دوں تو میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر اسے باہر نکال دیا جائے اس کے کنارے پر جتنا پانی رہ جاتا ہے اتنی کمی بھی میرے خزانوں میں نہیں آئے گی۔ تم نے جو کچھ مانگنا ہے سب کچھ مانگ لو اور میں سب کچھ عطا کر دوں۔ (مسلم کتاب البر واصلہ حدیث نمبر: ۴۶۷۴) اسی وجہ سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ دعا کے وقت تنگ نظری سے منع فرماتے تھے۔ دعا کرنی ہے تو کھل کے مانگو، بہت اچھا مانگو۔ جتنا مانگ سکتے ہو مانگو وہ مالک ہے اتنا ہی دے گا جتنا تم ہضم کر سکتے ہو۔

اس میں ایک پیغام ہے سوئی کے ناکے کی مثال میں جسے ہمیں سمجھنا چاہئے۔ فرمایا یہ ہے کہ تم سب مانگو میں سب کچھ دے دوں۔ تب بھی نقصان نہیں کر سکتے تو پھر خدا کیوں نہیں دے دیتا؟ ہر روز لوگ مانگتے ہیں اللہ دونوں جہانوں کی بادشاہتیں دے دے اور سارے مل کر یہ مانگیں کہ اے خدا ہمیں ساری زمین کی بادشاہت دے دے تو کیا خدا ہر انسان کو یہ دے دے گا اور کیوں نہیں دیتا۔ سوئی کی مثال نے واضح کر دیا ہے۔ خدا کا تم کو عطا کرنا تمہارے ظرف کے مطابق ہوتا ہے۔ دے تو سکتا ہے مگر تم سنبھال بھی سکتے ہو کہ نہیں، تمہیں اس کی توفیق بھی ہے کہ نہیں، کتنا ہی وسیع سمندر ہو اس میں سوئی ڈبوؤ گے اور نکالو گے تو ایک معمولی سی فلم اس پہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بیٹھ سکتا۔ تو ساری عمر سوئی ڈوبی رہے، ساری عمر سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ڈوبی رہے۔ نکلے گی تو اتنا ہی پانی لے

گی۔ جتنی اس کی توفیق ہے۔ یہ سمندر کا قصور نہیں ہے۔ یہ سوئی کا قصور ہے۔

دیتے ہیں بادہ، ظرفِ قدح خوار دیکھ کر (دیوان غالب: ۱۱۳)

اللہ دے تو سکتا ہے مگر دیتا اتنا ہے جتنا توفیق ہو۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ (الحجر: ۲۲) کہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں مگر ہم ان خزانوں کو قدر کے مطابق اتارتے ہیں۔ قدر سے مراد وقت کا اندازہ بھی ہے اور وہ لوگ بھی ہیں جن کے لئے خزانے اتارے جاتے ہیں، ان کی توفیق کے مطابق خزانوں کے منہ کھولے جاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ جب تک انسان کو Internal combustion engine بنانے کی توفیق نہیں ملی۔ تیل کے خزائن کا اس کو کچھ علم نہیں تھا، نہ اس سے خبر تھی، بے شمار خزائن بکھرے پڑے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مصیبت ہے تیل کی وجہ سے ہماری زمینیں بنجر ہو گئیں۔ جہاں جہاں تیل کے اثر ظاہر ہوتے تھے وہ زمینوں کو گندہ کر دیتے تھے اور لوگ اسے نقصان سمجھا کرتے تھے۔ جب وہ انجن ایجاد ہوئے جن کے اندر ایندھن جلتا ہے یعنی کوئلہ تو باہر جلتا ہے اور اندر گرمی پہنچاتا ہے، پٹرول انجن کے اندر جلتا ہے جب انسانی دماغ اس حد تک پہنچا کہ ایسی مشینیں ایجاد کرے۔ بعینہٖ وہی زمانہ ہے کہ تیل دریافت ہو گیا۔ تو صرف عطا کرنے والے کی بحث نہیں ہے جن لوگوں کی توفیق ہے اس کے مطابق عطا کرنے والا عطا کرتا ہے ورنہ وہ صاحبِ حکمت نہیں ہو سکتا۔

پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جو فرماتے ہیں یہ اس کا مفہوم ہے۔ دعاؤں کا لا انتہاء ہونا دراصل اپنی لاعلمی کا اظہار ہے۔ ہمیں پتا نہیں کہ ہماری توفیق کیا ہے اس لئے ہم کم کیوں مانگ لیں؟ جب علم ہے کہ خدا اتنا ہی دے گا جتنی توفیق ہے، جتنا سنبھالا جائے تو مانگو بے حد اور پھر وہ اپنے فضل تم پر جاری فرمائے گا۔ اس کا تعلق دو باتوں سے ہے اس دنیا میں بعد کی عمر سے بھی اور مرنے کے بعد کے زمانے سے بھی کیونکہ توفیق بعض دفعہ بڑھ جاتی ہے۔ ایک بچہ علم کے لحاظ سے کم توفیق رکھتا ہے، اس کو آپ وہی باتیں بتاتے ہیں جو وہ سمجھ سکتا ہے لیکن ہمیشہ تو ایک حالت پر نہیں رہا کرتا۔ وہ علم میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے علم کے برتن وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ ایسی ایسی باتیں سنبھال سکتا ہے اور جذب کر سکتا ہے اور ان سے فائدے اٹھا سکتا ہے کہ جہاں اوّل زمانے میں اس کا

ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا تھا، اس کا تصور بھی نہیں جاتا تھا۔ تو پھر توفیق بڑھ جاتی ہے اس لئے اگر آپ زیادہ مانگیں گے تو ہوسکتا ہے آپ کی بڑھی ہوئی توفیق کے زمانے میں عطا ہو جائے۔ پھر مرنے کے بعد کی دنیا میں انسان ہمیشہ ترقی کرے گا۔ مسلسل ایک حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف چلے گا اور آج کی دعائیں، کل کی دنیا میں کام آئیں گی۔ پس خدا تعالیٰ سے جب مانگا جائے تو لامتناہی مانگنا چاہئے، اپنی موجودہ حیثیت کو دیکھ کر نہیں، بلکہ خدا کی لامتناہی شان اور لامتناہی صفات کو دیکھتے ہوئے اور علمِ کامل کو دیکھتے ہوئے یہ توقع رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اتنا ہی دے گا جو آج ہم اپنی ذات میں سمو سکتے ہیں اور جوں جوں ہماری ذات کی صلاحیتیں بڑھتی جائیں گی اللہ تعالیٰ ان باتوں کو یاد رکھے گا، عطا بڑھاتا چلا جائے گا۔

یہ باتیں ہم نے حال ہی میں دیکھی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خدا سے مانگا تھا اس کے بہت سے حصے ہم نے آج اترتے دیکھے ہیں کیونکہ اس زمانے میں جماعت میں وہ صلاحیت نہیں تھی۔ اب وہ صلاحیتیں پیدا ہوئی ہیں، اس زمانے میں صلاحیتیں نہیں تھیں جواب پیدا ہوئی ہیں اور ان صلاحیتوں کے مطابق خدا تعالیٰ نے ان دعاؤں کو یاد رکھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ ہاں میں دوں گا اور ایسی شان سے وہ وعدے پورے کئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پس مانگتے ہوئے یاد رکھیں کہ وہی ایک ذات ہے جس سے مانگنا ہے، کسی اور سے نہیں مانگنا اور اسی کے آگے دامن پھیلانا ہے اور اسی سے یہ توفیق مانگنی ہے کہ خدا غیر اللہ کا محتاج نہ کرے۔

اس ضمن میں میں جماعت کے غریب طبقے کو نصیحت کرتا ہوں کہ بعض دفعہ وہ مانگتے تو نہیں مگر طرز ایسی اختیار کرتے ہیں کہ جو مانگنے کے مترادف ہو جاتی ہے۔ مجالس میں بیٹھ کر اپنی غربت کے حال بیان کرتے ہیں، خطوں میں تفصیل لکھتے ہیں اور عادت ہے بعض لوگوں کو بیچاروں کو کہ وہ بیان کرتے ہیں بار بار حالانکہ غربت سے انسان طبعاً شرماتا ہے، اپنی کم مائیگی اور بے بسی پر۔ انسان کو اپنی ذات پر تو رونا آتا ہے لیکن بیان کرنے سے شرماتا ہے یعنی یہ سعید فطرت ہے۔ جب بیان کرتا ہے تو مراد یہ ہے کہ لوگوں کو علم ہو کہ میں ہوں کیا؟ اور اس کے نتیجے میں لوگ مجھے کچھ دیں۔ اگر بے اختیاری کی حالت میں ایسا ہو تو گناہ نہیں ہے مگر قولِ سدید سے کام لینا چاہئے۔ کسی کو کہنا چاہئے کہ میں اس طرح ضرورت مند ہوں، تمہارا بھائی ہوں میرا تم پر حق ہے مجھے کچھ دے دو اور خدا کی خاطر دو۔ تو یہ

عملاً خدا سے مانگنے ہی کی ایک قسم ہے اگر خدا کے حوالے سے مانگا جائے لیکن بعض لوگ بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم دعا کے لئے کہہ رہے ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ جس کو دعا کے لئے کہہ رہے ہیں، اس کی دعا سے زیادہ اس کی عطا پر اعتماد ہے۔ وہ دعا کرے نہ کرے کچھ دے تو دے۔ یہ نفس کے باریک دھوکے ہیں اور ہر قسم کے دھوکے کی نفی کرنا توحید کا کام ہے، توحیدِ خالص کے نتیجے میں انسان نفس کے باریک سے باریک دھوکوں سے بھی آزاد ہوتا چلا جاتا ہے جب کامل طور پر توحید عطا ہو جائے تو پھر ایسے بہانوں اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان بہت بلند ہو جاتا ہے۔ یہ سفر ہے جو عام حالت سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ وارفع ذات کی طرف کا سفر ہے۔ سفر تو سب خدا ہی کی طرف ہونا چاہئے۔ پھر میں نے کیوں کہا کہ یہ سفر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کی طرف کا سفر ہے اس لئے کہ یہ وہی رستہ ہے جو خدا کی طرف لے جاتا ہے اور اس رستے پر سب سے آگے حضور اکرم ﷺ، تو آپ پیچھے پیچھے خدا کی طرف سفر تو کر سکتے ہیں آگے بڑھ کر وہ سفر نہیں کر سکتے۔ اس لئے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (النساء: ۷۰) کا پیغام سمجھ آجاتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ تم اطاعت کرو اللہ کی یعنی اس کے رسولؐ کی بھی، وَالرَّسُوْلَ میں خدا کی ذات کے سوا مقابل پر ذات کھڑی نہیں کی گئی۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت لیکن کس طرح اطاعت کرو گے محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو گے تو خدا کی اطاعت سمجھ آئے گی، ورنہ تمہیں سمجھ نہیں آسکتی۔ اس رسولؐ کی اطاعت ضروری ہوگئی ہے تمہارے لئے کیونکہ اس نے اطاعت کے سارے مراحل طے کر لئے اور کامل طور پر کر لئے اور توحیدِ خالص بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی سے نصیب ہو سکتی ہے ورنہ بڑے بڑے مؤحد کہلانے والے ہیں جن کے نفس نے ان کو دھوکہ دے رکھا ہے۔ توحید کے نام پر میں نے شرک کی تعلیم دینے والے بھی دیکھے ہیں۔ پس ایک ہی پاک توحید ہے کسی غیر اللہ کا کوئی شائبہ نہیں، کوئی سایہ بھی نہیں پڑتا۔ وہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی توحید ہے۔ اس توحید پر کامل بنا کرتے ہوئے ایک ذرہ بھی شک نہ رکھتے ہوئے دل میں، آپؐ کی متابعت کریں تو معراج کی طرف حرکت ہے یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری مقام کی طرف حرکت ہے۔

اس ضمن میں میں آج کل کے بہت سے مؤحد کہلانے والے فرقوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا

ہوں جو فرقے توحید پر زور دیتے ہیں بہت اچھا کرتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب میں وہابیت کا بڑا زور ہے جتنا وہ توحید پر زور دیتے ہیں اچھی بات ہے اور ایک موحد کا فرض ہے کہ اس معاملے میں ان کی تائید کرے مگر بدنصیبی سے وہ توحید پر سفر ختم کر دیتے ہیں حالانکہ توحید سے سفر شروع ہوا کرتا ہے۔ توحید سے جو سفر شروع ہوتا ہے وہ زمین پر انسان کو نہیں رہنے دیتا، وہ مادوں کے ساتھ لپٹائے نہیں رکھتا، وہ رفعتیں عطا کرتا ہے اس کے اندر روحانیت لازم ہے۔ توحید ایک زندہ حقیقت کا نام ہے، ایک مردہ جسم کا نام نہیں ہے۔ پس وہ لوگ جو توحید پر زور دیتے ہیں اور جسم مردہ رکھتے ہیں یعنی روحانی جسم ان کے مردہ ہیں۔ ان میں روح نہیں رہتی اور دعا کی طرف توجہ نہیں ہے، ان میں اولیاء نہیں پیدا ہوتے، ان میں بلندیوں کی طرف، رفعتوں کی طرف پرواز کرنے والے پیدا نہیں ہوتے۔ ان کی توحید وہ توحید نہیں ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی توحید ہے۔ اس توحید سے تو ایسی پر پرواز عطا ہوتی ہے کہ اس مقام سے آگے لے جاتی ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ جبرائیل کے پر جل جاتے ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ حضرت جبرائیل بھی اگر اس کے آگے بڑھے تو پَر جل جاتے ہیں۔

پس توحید رفعتوں ہی کا دوسرا نام ہے جو زمین سے اٹھاتی ہے اور لامتناہی بلندیوں تک پہنچاتی ہے۔ اگر آپ توحید پر قائم ہیں یا قائم ہو سکتے ہیں تو آپ کی روحانی ترقی ضروری ہے۔ اگر موحد کہلاتے ہیں اور نہ سچی خوابیں آتی ہیں، نہ دعاؤں کی توفیق پاتے ہیں، نہ دعاؤں کا پھل ملتا ہے۔ بڑی جہالت کی بات ہے، بے وقوفی ہے کہ ہم توحید پر ہیں حالانکہ توحید پر نہیں ہیں۔

اب ہمارے جلسہ سالانہ کے بعد جو تبصرے علماء کی طرف سے چھپے ہیں اس میں میری طرف یہ بیان منسوب کرتے تو ٹھیک تھا کہ جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے وہ زندہ جماعت ہے۔ جس کا سارے عالم میں اللہ سے تعلق ہے۔ ہمیں دعاؤں کے پھل ملتے ہیں، ہم معجزے دیکھتے ہیں، خدا ہم سے ہم کلام بھی ہوتا ہے، ہمیں سچی خوابیں بھی دکھاتا ہے اور ہمارے حق میں عظیم الشان کام دکھاتا ہے۔ یہ اپنے الفاظ میں مختصر لکھا ہوا ہے۔ مرزا طاہر کا کیسا مضحکہ خیز بیان ہے، اتنا مضحکہ خیز کہ خدا ہم پر مہربان ہوتا ہے، خدا ہم سے ہماری دعائیں قبول کرتا ہے، خدا ہمیں نشان دکھاتا ہے۔ یہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے مولوی صاحب ہیں جن کا بیان ہے جو موحد کہلاتے ہیں۔ جن کی توحید نورِ تقویٰ سے عاری ہے، جن کا اللہ سے گہرا محبت کا تعلق قائم نہ ہو۔ وہ توحید ایک خالی جسم بن جاتی

ہے اس میں جان نہیں پڑتی۔ پس جہاں توحید دکھائی دے گی وہ لوگ اچھے لگیں گے، پیارے لگیں گے۔ مگر توحید کے جسم میں روح بھی تو ہونی چاہئے، مردہ توحید سے انسان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ توحید کے پھرتے ہوئے لاشے دکھائی دیں گے جن میں کوئی جان نہیں، جو خدا سے ملانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ پس اپنی توحید کو معنی خیز بنائیں ایسا معنی خیز کہ جس کے نتیجے میں آپ کو قرب الٰہی کے پھل عطا ہوں۔

حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا سفر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے توحید سے شروع ہوا، توحید پر ختم نہیں ہوا۔ توحید پر چلتے ہوئے آپ ﷺ نے جان دی ہے یہ سفر مجھے کامل یقین ہے کہ توحید کا سفر وصالِ الٰہی کے بعد مستقلاً جاری رہنے والا سفر ہے۔ اگر خدا لامتناہی ہے تو کوئی وجود خواہ کتنا ہی بلند مقام رکھتا ہو، اپنی موت تک خدا کو کامل طور پر پا ہی نہیں سکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا سفر ہمیشہ خدا کی طرف جاری رہنے والا سفر ہے اور اس سفر میں سب سے آگے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا قدم پڑتا ہے اور اسی کا نام قدمِ صدق ہے۔ پس ہم سے یہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم توحید پر قائم رہو گے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً یہ بتایا گیا ہے کہ خوشخبری دے دو ان لوگوں کو کہ تمہیں قدمِ صدق عطا ہوگا۔ اس راہ پر قدم رکھنے کی توفیق ملے گی جس راہ پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشان ملتے ہیں، ان کے پیچھے پیچھے لامتناہی ترقیات کی طرف گامزن ہو جاویں گے۔

آپؐ کی نبوت کے آغاز پر آپ نظر ڈال کر دیکھیں یعنی حضرت رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے آغاز پر نظر ڈالیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ توحید اور اسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ سب سے زیادہ زور آغاز ہی سے توحید پر دیا گیا اور سب سے زیادہ قربانی توحید کے نام پر دی گئی۔ توحید کے ساتھ غیر اللہ کی نفی بھی شامل تھی۔ آنحضرت ﷺ نے 'لا الہ الا اللہ' جب فرمایا تو 'لا الہ الا اللہ' کے مضمون کو بھی خوب کھول کر قوم کے سامنے بیان فرمایا۔ ان کے تمام جھوٹے بتوں کی نفی کر دی، ان کے تمام فرضی خداؤں کو مار کے دکھایا اور بتایا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف ایک خدا ہے جو خدائے واحد و یگانہ ہے اس پر قوم بہت غصے میں آئی اور بار بار حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو ڈرا دھمکا کر ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی اور جب کسی طرح ان کی پیش نہیں گئی تو حضرت ابو طالب کے

پاس پہنچے جو آپ ﷺ کے چچا تھے اور عرب کے دستور کے مطابق عرب سرداروں میں سے ایسے سردار تھے کہ جن کی پناہ میں اگر کوئی ہوتو اس پر ہاتھ ڈالنا خطرے کا موجب تھا یعنی خواہ کتنا ہی طاقتور قبیلہ ہو اگر کسی بڑے سردار کی پناہ میں کوئی شخص ہوتو پناہ میں آئے ہوئے شخص پر ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے اور یہی ایک تردّد تھا جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر ظالمانہ حملے کی راہ میں ایک روک بنا ہوا تھا لیکن کفارِ مکہ کا صبر آخر ٹوٹ گیا۔ وہ ابو طالبؓ کے پاس پہنچے اور یہ بتایا کہ دیکھو یہ ہمیں ایسے ایسے سخت لفظوں سے یاد کرتا ہے، ہمارے بتوں کو جھوٹا کہتا ہے، ہمیں بیوقوف کہتا ہے اور ایسی دل آزار باتیں کرتا ہے کہ اب ہماری برداشت سے باہر ہے۔ اگر تم نے اپنے اس بھتیجے کو نہ روکا تو ہم نہ صرف یہ کہ اس کے امن کی ضمانت نہیں دیتے بلکہ تم سے بھی اپنے امن کا ہاتھ اٹھاتے ہیں اور تمہیں اگر اس کے بعد کوئی گزند پہنچا تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ وہ اس پر بہت گھبرائے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو بلایا اور یوں مخاطب ہوئے۔ اے میرے بھتیجے! اب تیری باتوں کی وجہ سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھے ہلاک کر دیں اور ساتھ ہی مجھے بھی۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سَفَهَا (الانعام: ۱۴۱) قرار دیا ہے۔ ان کے بزرگوں کو شر البریّہ کہا، ان کے بزرگوں کو آسمان کے نیچے بدترین مخلوق قرار دیا۔ یہ وہی شر البریّہ کا لفظ ہے جو بعد کے زمانے میں آنے والے مولویوں کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خود استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے جس طرح اس وقت ظالم لوگ مشتعل ہوئے تھے۔ اب بھی اگر ظالموں نے مشتعل ہونا ہے تو ہوں، اس میں ہم بے اختیار ہیں۔ یہ وہ لفظ ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے اوّلین کے ظالموں کے متعلق بھی استعمال فرمائے اور آخرین میں پیدا ہونے والے ظالموں کے متعلق بھی استعمال فرمائے۔ بہرحال اس سے بہت لوگوں نے طیش کھایا اور غصے میں آ کر یہ آخری الٹی میٹم دیا۔ حضور اکرم ﷺ ابو طالب کی بات آخر تک بڑے تحمل سے سنتے رہے اور پھر فرمایا کہ چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے یعنی اس میں ایسی کوئی اشتعال انگیزی نہیں، کوئی گالی دینا مراد نہیں۔ میں اپنے نفس کو جانتا ہوں، ان چیزوں سے پاک ہے۔ یہ ایسی حقیقت کا بیان ہے کہ جو بالکل برمحل صادق آ رہی ہے۔

پس جو شر البریہ ہے اس کو شر البریّہ کہنا اس حال میں گالی نہیں کہلاتا جبکہ کہنے والا عارف باللہ ہو۔ وہ جانتا ہو کہ یہی ان کی کیفیت ہے اور انہیں سمجھانے کی خاطر اور انہیں دکھانے کی خاطر کہ تم کہاں جا پہنچے ہو۔ ان کو بتانا پڑتا ہے کہ یہ تمہارا حال ہے۔ اس میں کوئی اشتعال انگیزی کا جذبہ شامل

نہیں ہوتا، کوئی انتقام کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا، کوئی غصے سے بے قابو ہونے کی حالت اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی بلکہ بڑے اطمینان سے انسان سمجھتا ہے کہ مجھے یہ کہنا پڑے گا اور جانتا ہے کہ اس کے بدلے میں مجھے اپنی جان کا خطرہ درپیش ہوگا۔ فرمایا یہ نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو وہ کام ہے جس کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں۔ اس کام سے کیسے رک سکتا ہوں، بھیجا گیا ہوں لوگوں کی خرابیاں ان پر ظاہر کر کے انہیں سیدھے رستے کی طرف بلاؤں اور اگر اس راہ میں مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بہت خوشی سے اپنے لئے موت قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اس راہ میں وقف ہے اور میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رک نہیں سکتا۔ اے چچا! اگر آپ کو اپنی کمزوری اور تکلیف کا خیال ہے تو آپ بے شک اپنی پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جاویں مگر میں احکام الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا اور خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں رہوں گا اور میں اپنے کام میں لگا رہوں گا حتیٰ کہ خدا اسے پورا کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔ (ابن ہشام) اس وقت بیان توحید کے ساتھ آپؐ میں اس قدر شان پیدا ہو گئی تھی، اس قدر آپؐ کے کلام میں جلال تھا اور ایسا رعب تھا کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ابو طالب کھڑے رو رہے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس نے کہا اے میرے بھتیجے! جو چاہتا ہے کر، میں تیرا ساتھ دوں گا، میں کبھی تیرا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے جب توحید کا بیان کرتے ہوئے خدا کی عظمت وجلال کا ذکر کرتے ہیں، اس میں گہری سچائی کے ساتھ ایک خاص شان وشوکت پیدا ہو جانی چاہئے اور وہ گہری سچائی تمہیں طاقت بخشنے والی ہو، ہر قسم کے خطرات سے تمہیں بے پرواہ کر دے۔ کوئی غیر اللہ کا خوف تمہاری راہ میں حائل نہ ہو اور جب تم توحید کا بیان کرتے ہو تو ہرگز پرواہ نہ ہو کہ سننے والے اسے کیا سمجھتے ہیں، کیا ردّ عمل دکھاتے ہیں اور تمہیں کیا کیا خطرات درپیش ہوتے ہیں؟ یہ توحید کا اقرار انسان کے نیک اعمال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اقرار ہے جس کے نتیجے انسان خدا کی راہ میں دِقّتیں برداشت کرنے کی اہلیت اختیار کرتا ہے۔ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانے کی طاقت پاتا ہے اور اس راہ میں وہ سب کچھ کر دکھاتا ہے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے توحید کی راہ میں جو کچھ دکھ اٹھائے ان کی تفصیل آپ ﷺ کی سیرت میں ہر جگہ پھیلی پڑی ہے۔ اس وقت اس کے بیان کے تفصیلی ذکر کا وقت نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ

یہ خطبات کا سلسلہ بہت ہی لمبا ہو جائے گا۔ وہ انشاء اللہ بعد میں کسی موقع پر سیرت کے بیان میں باتیں پیش کی جائیں گی

میں آپ ﷺ کے حوالے سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب آپ نے توحید کا پیغام دنیا میں پہنچانا ہے۔ یاد رکھیں کہ اس راہ میں تکلیفیں دی جائیں گی اور اگر آپ خالص توحید پر قائم ہیں اور سچے دل سے توحید کا اقرار کرنے والے ہیں تو جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مؤحد پیدا فرمائے اور عملاً انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ توحید کے لئے وہ ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ویسے نمونے آپ کو پکڑنے ہوں گے ورنہ آپ اولین میں کیسے شامل ہوں گے، اوّلین کے نمونے ہمارے سامنے کھول کر پیش کر دیئے گئے ہیں اور اس نسبت سے ہمیں آخرین میں ویسے ہی نمونے دکھانے ہوں گے، ویسے نمونے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم دکھا رہے ہیں جب میں دکھانے ہوں کہہ رہا ہوں تو آئندہ آنے والی نسلوں کو مستقبل کی یہ تعلیم دے رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس زمانے میں جتنا توحید کے لئے جماعت احمدیہ نے قربانیاں دکھائی ہیں۔ دنیا کے پردے پر ساری دنیا کی توحید کے لئے قربانیاں ایک طرف کر دیں تو اس کے مقابل پر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس زمانے میں توحید کے نام پر سوائے جماعت احمدیہ کے کسی کو سزا نہیں دی جا رہی۔ زبانی تو طرح طرح کے ظلم وستم کے چرچے ایسے ایسے گندے بیانات کی صورت میں جماعت احمدیہ کے خلاف جاری ہوتے رہتے ہیں بلکہ مسلسل ایک سلسلہ چلتا چلا جا رہا ہے اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں۔ جہاں بھی جماعت احمدیہ کے اوپر حملے کا ذکر آئے ، حملے کا مضمون چلے وہاں الا ماشاء اللہ چند شریف النفس لوگوں کے سوا ہر شخص دوسرے کی تائید میں شامل ہو جاتا ہے۔ عدلیہ کی طرف جائیں وہاں بھی یہ ظلم بڑی بھیانک صورت میں اپنی انتہاء کو جا پہنچا ہے اور توحید کا ایسا جرم قرار دیا جا رہا ہے کہ جیسے سلمان رشدی نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تقدس اور اسلام کے تقدس پر بہت ظالمانہ اور بہیمانہ حملے کئے تھے۔ اس کی مثالیں دے کر یہ کہا جا رہا ہے کہ احمدی کا توحید کا بیان ہمیں ایسا ہی ظلم کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا سلمان رشدی کا یہ بیان کہ قرآن کریم شیطان کی نازل کردہ آیتیں تھیں خدا کی نازل کردہ آیتیں نہیں تھیں۔ اس سے بڑی بدبختی کسی قوم کی تصور میں ہی نہیں آتی۔ ایک طرف سلمان رشدی ہے جو یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مطہر پر نازل ہوا تھا بلکہ سراسر شیطان کا کلام ہے اور آج کے شر البریہ یہ

کہتے ہیں کہ جب احمدی کہتا ہے ’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں محمد مصطفی ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے تو یہ کلام ہمیں ایسا دکھ پہنچاتا ہے کہ جیسے سلمان رشدی کو آزاد چھوڑ دیا تھا اور پاکستان کی گلیوں میں ایسے سلمان رشدی آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں جو جگہ جگہ لا الٰہ الا اللہ کا اعلان کرتے پھریں گے ان لوگوں کی امن کے کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی جس کا دل چاہے ان کو قتل کرتا پھرے، جس کا دل چاہے ان کا مال لوٹے۔

پس توحید کے لئے جس طرح اولین نے قربانیاں دی تھیں خدا کی قسم! آج آپ ہیں جو توحید کے لئے ایسی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ میں وہ چند مثالیں آپ کے سامنے رکھوں گا تو پھر آپ دیکھنا کہ کس طرح پاکستان کی گلیوں میں، مکے کی گلیوں کے واقعات دہرائے جا رہے ہیں۔ وہ تاریخ از سر نو ہمارے خون سے لکھی جارہی ہے۔ ہماری عزت کی قربانیوں سے وہ تاریخ دہرائی جارہی ہے۔ پس ہم محض دعویٰ دار ہی نہیں ہیں توحید کے، ہم توحید کو اپنے اعمال میں جاری کر چکے ہیں۔ آج ایک ہم ہی تو ہیں جو توحید کے نام پر ہر قسم کے ابتلاؤں میں مبتلا کئے گئے اور ہر ابتلاء سے ثابت قدم باہر نکلے ہیں۔ اسی کا نام قَدَمَ صِدۡقٍ (یونس:۳) ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ جماعت احمدیہ کو قَدَمَ صِدۡقٍ عطا فرماتا رہے۔ یہی وہ قدم ہے جو محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں معراج تک پہنچتا ہے۔ ہمیں اس معراج کے قدموں تک پہنچنے کا تصور نہیں آسکتا، مگر یہ وہ راہ ہے جس میں جس قدم پر یعنی محمد مصطفی ﷺ کے نقش قدم پر ہماری جان جائے گی خدا کی قسم! وہی ہمارا معراج ہوگا۔